۲

بسم اللہ

بخدمت جناب حضرت مفتی صاحب مد ظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

درج ذیل مسئلے میں شرعی رہنمائی درکار ہے:

فتویٰ ۱۹۷ ۳۲ھ

موضوع: Hatching کے کاروبار میں قابل زکوٰۃ مال کی تعیین

درج ذیل مسئلے میں شرعی رہنمائی درکار ہے:

ہم لوگ مرغی اور چوزوں کے کاروبار سے منسلک ہیں، ہم Hatching کا کام کرتے ہیں یعنی مطلوبہ تعداد میں چوزے (جن کو Breader کہا جاتا ہے) خرید کر اپنے خرچے پر انہیں پالتے ہیں، جب وہ ۲۳/۲۴ ہفتہ کے ہو جاتے ہیں۔ تو وہ انڈے دینا شروع کر دیتے ہیں، ہم ان حاصل شدہ انڈوں کو (انڈوں سے چوزہ نکالنے والی) خاص مشینوں میں رکھ کر ان کی خوب دیکھ بھال کرتے ہیں، یہ مشینیں انڈوں کو، مرغی کے متبادل کے طور پر ایک خاص پیمانے پر حرارت مہیا کرتی ہیں جس سے انڈے کے اندر چوزہ بننے کا عمل قائم ہوتا ہے، ان مشینوں پر بھی کثیر اخراجات آتے ہیں، اس طرح ۲۱ دنوں میں ان انڈوں سے چوزے حاصل ہو جاتے ہیں، ہم ان میں سے صحت مند چوزے پولٹری فارم والوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں، اور ناقابل فروخت چوزے شرعی طریقے سے تلف کر دئے جاتے ہیں۔

چونکہ ہر سال زکوٰۃ کا حساب کرنا ہوتا ہے، اسی حوالے سے درج ذیل نکات سے متعلق کچھ وضاحت درکار ہے:

ا۔ باب الزکاۃ میں "مالِ تجارت" عموماً اس مال کو کہا جاتا ہے جو آگے فروختگی کی نیت سے اپنی ملکیت میں لیا جائے۔ *(ملاحظہ حوالہ نمبر 1 تا 4)*

اب Hatchery کے اس کاروبار میں فروخت ہونے والی چیز Broiler Chicks (انڈوں سے نکلنے والے چوزے) ہیں جو کہ ہم خریدتے نہیں ہیں بلکہ یہ Broiler Chicks ہم اپنی پالی ہوئی مرغیوں کے انڈوں سے حاصل کرتے ہیں۔

یعنی مسئلہ یہ ہے کہ:

اَ. جو مال فروخت ہوتا ہے (یعنی Broiler Chicks) وہ خریدا نہیں جاتا، نہ کسی عقدِ معاوضہ کے نتیجے میں ہماری ملکیت میں آتا ہے حتی کہ اس کی براہِ راست اصل یعنی انڈے بھی نہیں خریدے جاتے۔

ب. جو مال خریدا جاتا ہے یعنی مرغیاں، ان کو فروخت کی نیت سے نہیں خریدا جاتا بلکہ ان کو تو چوزوں کی شکل میں خرید کر ان کو اپنی غذا دی جاتی ہے اور مرغی بننے کے بعد ان سے انڈے حاصل کیے جاتے ہیں، پھر ان انڈوں کو بھی فروخت نہیں کیا جاتا بلکہ ان پر معقول اخراجات کر کے مشینوں میں رکھا جاتا ہے، (ایک انڈے پر تقریباً ۳۰ تا ۳۵ روپے کے اخراجات بتفاوتِ حالات آتے ہیں) حتی کہ ان سے چوزے حاصل ہوتے ہیں۔

۲۔اس کاروبار کی زکاۃ کے حوالے سے اکابر کے فتاویٰ میں کوئی فتویٰ ہماری نظر سے نہیں گزرا، البتہ دیگر کاروبار کی نسبت سے ہمارے کاروبار سے قریب ترین کاروبار پولٹری فارم، ڈیری فارم وغیرہ سے متعلق جو آراء اور فتاویٰ ہمارے سامنے آئے، وہ ذیل میں مذکور ہیں، تاہم یہ بات ملحوظ رہے کہ پولٹری فارم اور ڈیری فارم کے کاروبار قریب ترین ہونے کے باوجود ان میں اور ہمارے Hatchery کے کاروبار میں کافی فرق ہے (جیسا کہ آگے صفحہ نمبر 4 پر آنے والے نقشے میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے)

اس سلسلے میں چار آراء ہمارے سامنے آئی ہیں:

سامنے آنے والی آراء

1. **پہلی رائے: اس میں کوئی زکاۃ نہیں:**

یہ رائے درج ذیل اداروں کی ہے:

(الف) دار الافتاء مصریہ:

خلاصہ: زکاۃ کے معاملہ میں معیار عقل نہیں ہے بلکہ نصوص ہیں، لہذا جن اشیاء کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے ان میں زکاۃ ہوگی اور جن کے بارے میں کوئی نص نہیں ہے تو وہاں اصل عدم زکاۃ ہے چنانچہ پولٹری یا Hatchery کے کاروبار میں جو اشیاء خریدی جاتی ہیں ان پر یا ان کے نماء میں زکاۃ نہیں ہوگی بلکہ صرف وہ نقدی جو اس کو فروخت کرنے کے نتیجے میں جمع ہو وہ قابل زکاۃ ہوگی۔ (ملاحظہ حوالہ نمبر 5 تا 6)

(ب) مرکز الفتویٰ (التابع لإدارة الدعوة والإرشاد الديني بوزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية بدولة قطر)

خلاصہ: پولٹری اور انڈوں میں زکاۃ واجب نہیں، البتہ اس کاروبار میں حاصل ہونے والی آمدنی پر زکاۃ واجب ہوگی۔ (ملاحظہ حوالہ نمبر 7)

2. **دوسری رائے: اگر بیع کے لیے ہوں تو زکاۃ ہوگی:**

یہ رائے درج ذیل حضرات کی ہے:

(الف) مکتبہ الفتاوی: فتاوى نور على الدرب (محمد بن صالح العثيمين)

خلاصہ:

- پولٹری فارم کی مرغیاں اگر مسلسل مالِ تجارت بنی ہوئی ہوں یعنی بار باران کی تبدیلی بیع وشراء کے نتیجے میں ہورہی ہو تو ان کی ''قیمت'' پر زکاۃ آئے گی کیونکہ یہ مالِ تجارت ہیں۔ لیکن اگر ان سے استیلاد وتنمیہ مقصود ہو اور ان کو سال کے اکثر حصے میں اسی فارم سے خوراک دی جاتی ہو (یعنی قدرتی مفت غذا پر نہیں پلتیں) تو ان پر زکاۃ واجب نہیں کیونکہ وہ سائمہ نہیں (ملاحظہ حوالہ نمبر 8)

(ب) طریق الاسلام:

خلاصہ: جو بیچنے کیلئے ہوں ان پر زکاۃ ہو گی۔ (ملاحظہ حوالہ نمبر 9)

(ج) د. صلاح الصاوی

خلاصہ: فی ذاتہ مرغیوں میں زکاۃ نہیں البتہ اگر تجارت کیلئے ہوں تو سامانِ تجارت والی زکاۃ ہو گی۔ (ملاحظہ حوالہ نمبر 10)

3. تیسری رائے: احتیاطاً نماء قابلِ زکاۃ:

اس بارے میں ایک فتویٰ منسلک ہے (**نمبر ۵۱/۱۴۴۴**) جس میں ڈیری فارم اور پولٹری فارم کے کاروبار میں اصل بھینسوں اور مرغیوں کو تو قابلِ زکاۃ شمار نہیں فرمایا البتہ اس فتویٰ میں حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلام میں کوئی صراحت نہ ملنے کا ذکر کرنے کے بعد ''احتیاطاً'' ان کے نماء پر زکاۃ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو فوٹو کاپی، حوالہ نمبر 12)

4. چوتھی رائے: خود مویشی بھی اموال تجارت شمار ہوں گے

''اسلامی معاشیات۔ بنیادی خاکہ۔ تیجمگر مجلستحقیقیسا ئلحاضرہ'' (مرتب: حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) میں اموالِ سائمہ کی زکاۃ کا بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

> ''یہی مویشی اگر افزائش نسل کے بجائے ان کی یا ان کے منافع، دودھ، اون وغیرہ کی تجارت کی غرض سے پالے ہوں تو اموالِ تجارت میں محسوب ہوں گے'' (صفحہ نمبر ۵۵، ملاحظہ ہو فوٹو کاپی: حوالہ نمبر 13)

اس میں حضرت نے براہِ راست ان مویشیوں کو ہی مالِ تجارت شمار کیا ہے جو کہ بالکل الگ نقطۂ نظر ہے۔

5. پانچویں رائے: نماء پر عشر واجب ہے

''فقه الزكاة'' میں علامہ یوسف القرضاوی نے بعض شیعہ فقہاء سے یہ مسئلہ منقول فرمایا کہ ایسے کاروبار میں نماء پر عشر واجب ہو گا۔

خلاصہ: اس مسئلہ کو ان حضرات نے زکاۃ العسل پر قیاس کیا ہے۔ اور فقہ کی دیگر جزئیات سے یہ قاعدہ استنباط کیا ہے کہ جس شے کی اصل پر زکاۃ واجب نہیں ہوتی تو اس شے کے نماء اور نتاج پر زکاۃ واجب ہوتی ہے جیسا کہ الزرع بالنسبة للأرض، والعسل

بالنسبة للنحل، والألبان بالنسبة للأنعام، والبيض بالنسبة للدجاج، والحرير بالنسبة للدود *(ملاحظہ حوالہ نمبر 11)*

یہتما مختلفآراءا مسئلےہیںہیں کمجبجانور خرید کر پالنے کے بعد خود اس کو یا اس کے نماء کو فروخت کرنے کی نیت ہو، لیکن ہمارے مسئلے میں ایک اور بڑا فرق یہ ہے کہ ہم تو براہِ راست اپنے خریدے ہوئے جانور کا نماء بھی نہیں بیچتے بلکہ پہلے ہم چوزے (Breader) خریدتے ہیں، جن سے ہمارا مقصود صرف انڈے حاصل کرنا ہوتا ہے۔ پھر ۲۳/۲۴ ہفتوں تک ان کو اپنی غذا دینے کے بعد ان سے انڈے حاصل ہوتے ہیں، پھر ان انڈوں کو ایک خاص مدت تک مشینوں میں رکھ کر ان سے چوزے (BroilerChicks) حاصل کیے جاتے ہیں، اور پھر ان میں سے صحت مند چوزے (Broiler Chicks) ہم فروخت کرتے ہیں۔

اس فرق کی مزید وضاحت کیلئے درج ذیل نقشہ ملاحظہ فرمائیں:

ڈیری فارم: بھینس ⟸ دودھ (فروخت کیا جانے والا مال)

پولٹری فارم: چوزے مرغی ⟸ انڈے (فروخت کیے جانے والا مال)

Hatchery: چوزے ⟸ مرغی ⟸ انڈے ⟸ چوزے (فروخت کیا جانے والا مال)

مندرجہ بالا صورتحال، اختلافِ آراء اور مذکورہ دلائل کی روشنی میں درج ذیل سوالات کے جوابات درکار ہیں:

سوالات:

1. ہمارے اس کاروبار میں زکاۃ کے کیا احکام ہوں گے؟ کیا ان میں سے کوئی مال قابلِ زکاۃ شمار کیا جائے گا یا نہیں؟
2. اس میں مالِ تجارت کس مال کو سمجھا جائے گا؟ Breader کو، یا ان کے انڈوں کو، یا ان انڈوں سے حاصل ہونے والے صحت مند قابلِ فروخت چوزوں کو، یا تمام چوزوں کو؟
3. اگر زکاۃ کی تاریخ کو صرف وہ چوزے یا مرغیاں موجود ہوں جنہیں ہم نے خریدا تھا (یعنی Breader) تو کیا حکم ہوگا؟
4. اگر مرغیوں کے دیے ہوئے انڈے بھی موجود ہوں تو مرغیوں اور انڈوں دونوں کا الگ الگ کیا حکم ہوگا؟
5. اگر مرغیوں کے ساتھ کچھ انڈے اور کچھ چوزے یا صرف چوزے موجود ہوں تو کیا حکم ہوگا؟

براہِ کرم مفصل جواب دیکر ممنون فرمائیں

اظفر اقبال
البرق

فتوی ۱۹۲۴/ ۲/۳

حوالے جات

(1)فتح القدير لكمال بن الهمام (3/ 495)

الحاصل أن نية التجارة فيما يشتريه تصح بالإجماع وفيما يرثه لا تصح بالإجماع لأنه لا صنع له فيه أصلا

(2)فتح القدير لكمال بن الهمام (4/ 98)

(قوله وتشترط نية التجارة) لأنه لما لم تكن للتجارة خلقة فلا يصير لها إلا بقصدها فيه، وذلك هو نية التجارة ، فلو اشترى عبدا مثلا للخدمة ناويا بيعه إن وجد ربحا لا زكاة فيه ... واعلم أن نية التجارة في الأصل تعتبر ثابتة في بدله وإن لم يتحقق شخصها فيه ،

(3)الفتاوى الهندية (1/ 174)

ونية التجارة والإسامة لا تعتبر ما لم تتصل بفعل التجارة أو الإسامة ثم نية التجارة قد تكون صريحا وقد تكون دلالة فالصريح أن ينوي عند عقد التجارة أن يكون المملوك للتجارة سواء كان ذلك العقد شراء أو إجارة وسواء كان ذلك الثمن من النقود أو العروض وأما الدلالة فهي أن يشتري عينا من الأعيان بعروض التجارة أو يؤاجر داره التي للتجارة بعرض من العروض فتصير للتجارة وإن لم ينو التجارة صريحا

(4)حاشية الطحاوي على مراقي الفلاح (ص: 471)

إنما يزكى بنية التجارة عند العقد فلو نوى التجارة بعد العقد أوا شترى شيئا للقنية ناويا أنه إن وجد ربحا باعه لا زكاة عليه ا هـ ملخصا

(5)فتوی کا خلاصہ:(انگریزی)

The Ruling

There is no zakat on raising poultry for meat or selling their produce, whether eggs or chicks. Zakat is only payable on the net cash profits generated from this business activity or any other if it reaches nisab [En. the minimum amount upon which zakat is due] and after one lunar year passes.

ویب سائٹ کا ایڈریس ملاحظہ فرمائیں:

http://www.dar-alifta.org/foriegn/ViewFatwa.aspx?ID=1282

(6)اس فتوی کی عربی کاپی درج ذیل ملاحظہ فرمائیں:

رقم الفتوى: 1282 — تاريخ الإجابة: 29/01/2009 — Like Share 3

اطلعنا على الطلب المقيد برقم 209 لسنة 2009م المتضمن: ما حكم الزكاة الشرعية في نشاط صناعة الدواجن المبين على النحو التالي:

هناك خطان رئيسان للإنتاج في هذه الصناعة، هما: دجاج اللحم (للتسمين والأكل)، ودجاج إنتاج البيض، وكلا الخطين له عدة مراحل.

فأما بالنسبة للجدود والأمهات:

فيكون عمر الدجاجة تقريبًا خمسة وستين أسبوعًا تقسم على النحو الآتي:

1- منها ثلاثة وعشرون أسبوعًا للتربية، وفيها يتم تربية الدجاجة من عمر يوم وحتى تصل إلى عمر النضوج الجنسي عند الأسبوع الثالث والعشرين.

2- واثنان وأربعون أسبوعًا للإنتاج، وفيه يقوم الذكور -الديوك- بإخصاب الإناث، ويتم إنتاج البيض المخصب على مدار هذه الأسابيع بنسب إنتاج متفاوتة تختلف حسب عمر القطيع حيث إنه كلما زاد العمر قل الإنتاج نسبيًّا.

ملحوظة: البيض الناتج من هذه الأنواع يستخدم أساسًا في إنتاج الدجاج للمرحلة التي تلي المرحلة المنتجة ويتم إرساله إلى معمل التفريخ لإنتاج كتكوت الأمهات.

بالنسبة للمصاريف يمكن تقسيمها طبقًا لهاتين المرحلتين إلى:

1- مصاريف فترة التربية (23 أسبوعًا).

- الثروة الداجنة (الكتاكيت التي تم شراؤها).
- الأدوية.
- الأعلاف.
- صيانة.
- التحصينات.
- المطهرات.
- وقود وزيوت (مصاريف التدفئة).
- مصاريف تشغيل (كهرباء).
- تحاليل دورية لمتابعة الحالة الصحية للقطيع.
- نشارة خشب (يتم فرشها في أرضية المزرعة قبل دخول الدواجن).
- مصاريف إدارية (تليفونات - مستلزمات نظافة للأفراد - ...).
- إهلاك (وهي قسط الإهلاك للمعدات والمباني ويتم تقسيمه على حصة سنوية ثم شهرية طبقًا للعمر الافتراضي لكل معدة أو منشأة).
- الأجور والحوافز.
- مصاريف تشغيل.

2- مصاريف فترة الإنتاج:

(نفس بنود مصاريف التربية باستثناء الثروة الداجنة)، ويضاف على هذه البنود إهلاك مصاريف التربية (حيث يتم توزيع مصاريف التربية على أسابيع الإنتاج).

• المنتج النهائي هنا هو البيض الصالح للتفريخ، وتكون تكلفته هي تكلفة الإنتاج مضافًا لها قسط الإهلاك من مصاريف التربية.

معمل التفريخ

- يتم إرسال البيض للمعمل ليتم تفريخه ويدخل ماكينات التفريخ ويظل بالماكينات لمدة واحد وعشرين يومًا تحت درجة حرارة ودرجة رطوبة محددة حتى يتم إنتاج كتكوت بعد هذه الفترة، وهو المنتج الذي يتم بيعه.

- ليس كل البيض المرسل للمعمل يُنتِج، ولكن المنتج النهائي -وهو الكتكوت- قد يمثل أربعين بالمائة من عدد البيض الداخل للماكينات كما في الجدود وأمهات البياض، وقد يصل إلى ما بين ثمانين بالمائة وخمسة وثمانين بالمائة في أمهات التسمين، وهذه النسبة تسمى نسبة الفقس.

يوجد مصاريف بالمعمل تعرف بمصاريف التفريخ، وهي كالآتي:

- مصاريف المعمل (كهرباء، مطهرات).
- أجور عمال المعمل.
- مصاريف التسويق (سيارات توصيل الكتاكيت إلى العملاء، مرتبات الأطباء البيطريين لمتابعة الدجاج لدى العملاء).

دجاج إنتاج بيض المائدة (بيض الأكل):

يتم معاملته في المصاريف مثل دجاج الجدود والأمهات، ولكنه في النهاية بدلًا من أن يتم إرسال البيض لمعمل التفريخ يتم إرساله للجمهور للاستهلاك.

دجاج التسمين:

ويكون عمر هذا الدجاج تقريبًا خمسة وأربعين يومًا، ينمو خلالها من كتكوت عمر يوم إلى دجاجة وزنها ما بين كيلوجرام وثمانمائة جرام إلى

كيلوجرامين؛ وهو ناتج من فقس بيض أمهات دجاج اللحم (التسمين)، ومصاريفه كالآتي:

- الثروة الداجنة (قيمة الكتاكيت التي تم شراؤها).
- الأعلاف.
- مصاريف تشغيل (كهرباء).
- التحصينات.
- الأدوية.
- المطهرات.
- وقود وزيوت (مصاريف التدفئة).
- خدمات بيطرية (تحاليل، إشراف فني).
- إيجار أو إهلاك (الإيجار عندما تكون المزرعة غير مملوكة، والإهلاك عندما تكون مملوكة).
- أجور وحوافز.

الجواب : أمانة الفتوى

الزكاة شعيرة فيها معنى التكافل وتطهير المال، ولكنها قبل ذلك عبادة قائمة على الاتباع: فتجب في أموال مخصوصة، بشروط مخصوصة، بنسب مخصوصة؛ لتُنفَق في مصارفها المخصوصة، وقد بيّن الشرعُ الشريف ذلك كلَّه بيانًا واضحًا، ومن الأموال الزكوية عروض التجارة، فإذا كان النشاط تجاريًّا وجبت فيه الزكاة، أما إذا كان صناعيًّا أو إنتاجيًّا أو خدميًّا فلا زكاة فيه.

فالأنشطة إما أن تكون على سبيل التجارة أو من قبيل المستغَلّات، والفرق بينهما: أن التجارة هي أن تشتري لتبيع لتربح، من غير أن يتخلل ذلك عنصر الصناعة أو الإنتاج أو الاستغلال، فإذا تحققت هذه الشروط الثلاثة: الشراء، بقصد البيع، لغرض الربح، كان النشاط تجاريًّا، وما كان على سبيل التجارة فزكاته زكاة عروض التجارة التي تُحسَب بضم رأس المال إلى الأرباح عند تمام الحول القمري بعد خصم الأصول الثابتة (الجَدَك) والخصوم المتداولة (الديون)، ويُخرَج من الناتج ربعُ العشر.

أما المُستغَلّات فهي الأموال التي لم تُتَّخذ للتجارة في أعيانها ولكنها تُتَّخذ للنماء؛ فتُغِلُّ لأصحابها كسبًا بتأجير أعيانها، كالشقق والسيارات، أو ببيع ما يحصل من إنتاجها، كالمصانع وشركات التعمير التي تشتري الأراضي وتعمرها لتبيعها وحدات سكنية، وكبهيمة الأنعام التي تُتَّخذ لبيع لبنها وصوفها وتسمينها وبيع نتاجها، وكالدواجن التي تُربَّى لإنتاج البيض وتُسمَّن للأكل. والذي عليه الفتوى أنه لا زكاة فيها، وإن كان بعض الفقهاء المعاصرين -ممن يميلون إلى توسيع نطاق الأموال التي تجب فيها الزكاة- يرون الزكاة فيها. إلا إننا نرجح الوقوف عند مورد النص في ذلك؛ تغليبًا لمعنى الاتباع في الزكاة؛ ولأنّ الأصل براءة الذمة مما لم يرد النص بإيجاب الزكاة فيه؛ ولأن في عدم وجوب الزكاة على الصناعة والإنتاج ملحظًا شرعيًّا مهمًّا في تحفيز الصناعة وتشجيعها وجذب الناس إليها. وحاجة الفقير والمسكين وأمثالهما ليست غائبة عن نظر المجتهد الذي يرى عدم الزكاة في مثل هذا النشاط؛ لأن نمو هذا النشاط والتوسع فيه يؤدي إلى زيادة فُرَص العمل والتوسع في تدوير المال الذي يؤدي بدوره إلى إنعاش المجتمع بطبقاته المختلفة، ومنهم الفقراء والمساكين وأضرابهم، فيكون في ذلك رعايةٌ لهم بطريق غير مباشر.

وعلى ذلك فإن هذا النشاط في تربية الدواجن لتسمينها وبيع ما ينتج من بيضها أو بيع الكتاكيت منه بعد فقسه -على الوجه المذكور- لا زكاة فيه، وإنما الزكاة في المال السائل المتجمع منه ومن غيره إذا بلغ نصابًا وحال عليه الحول القمري. والله سبحانه وتعالى أعلم.

ویب سائٹ کا ایڈریس ملاحظہ فرمائیں:

http://dar-alifta.org/ViewFatwa.aspx?ID=1282

(7)مرکز الفتوی (اسلام ویب)

السؤالكيف يزكي من له مزرعة لتربية الدواجن المنتجة للبيض . فهل يزكي البيض أم ثمنه بعد بيعه ؟ وهل يشترط الحول أم يزكي كلما باع ؟

الإجابةالحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه أما بعد:

فليس في الدواجن والبيض زكاة إلا إذا بيع شيء من ذلك، فالزكاة واجبة في ثمنه إذا بلغ نصاباً وحال عليه الحول.

وقدر الزكاة الواجب ربع العشر أي 2.5بالمائة. والله أعلم. رقم الفتوى: 2628-الخميس22 محرم 1421 - 27-4-2000

ویب سائٹ کا ایڈریس ملاحظہ فرمائیں:

http://fatwa.islamweb.net/fatwa/index.php?page=showfatwa&Option=FatwaId&Id=2628

(8)مكتبة الفتاوى : فتاوى نور على الدرب (محمد بن صالح العثيمين)

السؤال: بارك الله فيكم السؤال الثاني يقول كيف تكون زكاة مزرعة الدواجن أفيدونا وفقكم الله؟

الجواب - الشيخ: مزرعة الدواجن ليس فيها زكاة إلا إذا كانت ذات ثمار تجب فيها الزكاة فإذا قدرنا أنّ هذا الرجل عنده مزرعة وفيها برسيم وعلف يعلف به الدواجن فلا شيء عليه فيها أما إذا كانت المزرعة تغل حبوباً وثماراً ففيها الزكاة في حبوبها وثمارها وهي نصف العشر إن كانت تسقى بمئونة والعشر كاملاً إن كانت تسقى بلا مئونة أما بالنسبة للدواجن فالدواجن يكون اتخاذها على وجهين الوجه الأول أن يكون اتخاذها تجارة يبيع ويشتري فيها يبيع هذا الداجن اليوم ويشتري بدله كتاجر فيها ففيها الزكاة في قيمتها تقدر كل سنة بما تساوي حين وجوب الزكاة ويخرج من قيمتها ربع العشر أما إذا كانت الدواجن للتنمية والاستيلاد وكانت تعلف من هذه المزرعة الحول أو أكثر الحول فإنه لا زكاة فيها لأن الزكاة إنما تكون في السائمة وهي التي ترعى مما أنبته الله عز وجل الحول أو أكثر الحول.

ویب سائٹ کا ایڈریس ملاحظہ فرمائیں:

http://www.ibnothaimeen.com/all/noor/article_2289.shtml

(9)طریق الاسلام:

السؤال :رجل عنده مشروع مزرعة دواجن فهل في هذا المشروع زكاة؟

الإجابة :كل ما كان معدًّا للبيع من هذا المشروع فإن فيه الزكاة، أما الآلات والأدوات الباقية التي تُستعمل للإنتاج فليس فها زكاة؛ لأنها ليست عروض تجارة، إذ أنها معدة للاستعمال، وقد قال النبي عليه الصلاة والسلام ‘‘ليس على المؤمن في عبده ولا فرسه صدقه’’ رواه البخاري في صحيحه.

ویب سائٹ کا ایڈریس ملاحظہ فرمائیں:

http://ar.islamway.net/fatwa/12927

(10)د. صلاح الصاوی

الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه ومن والاه، أما بعد: فليس في الدواجن في ذاتها زكاة، ولكن إن اتخذت للتجارة فتزكى زكاة عروض التجارة، إذا بلغت قيمتها نصابا، وحال عليها الحول، ومقدار النصاب ما يساوي 85 جراما من الذهب،

أو595 جراما من الفضة، أيهما أقل، ومقدار الزكاة الواجبة ربع العشر،والله تعالى أعلى وأعلم

ویب سائٹ کا ایڈریس ملاحظہ فرمائیں:

http://el-wasat.com/assawy/?p=4883

(11)فقه الزكاة - يوسف القرضاوي (1/ 375)

وهذا يعنى قياس ألبان البقر ونحوها من المنتجات الحيوانية على عسل النحل، فإن كلا منها خارج من حيوان لم تجب الزكاة في أصله.ولهذا أرى أن نعامل المنتجات الحيوانية كالألبان وملحقاتها معاملة العسل، فيؤخذ العشر من صافى إيرادها (وهذا في الحيوانات غير السائمة التي تتخذ للألبان خاصة، ما لم تعتبر الحيوانات نفسها ثروة تجارية).

والقاعدة التي نخرج بها هنا: أن ما لم تجب الزكاة في أصله، تجب في نمائه وإنتاجه، كالزرع بالنسبة للأرض، والعسل بالنسبة للنحل، والألبان بالنسبة للأنعام، والبيض بالنسبة للدجاج، والحرير بالنسبة للدود، وهذا ما ذهب إليه الإمام يحيى من فقهاء الشيعة، فأوجب الزكاة في القز كالعسل، لتولدهما من الشجر، لا في دوده كالنحل، إلا إذا كان للتجارة (البحر الزخار: 173/2).

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام درج ذیل مسائل کے بارے میں کہ

(۱)۔۔ایک شخص نے ڈیری فارم بنایا ہوا ہے جس میں اس نے جانور اس نیت سے پال رکھے ہیں کہ ان سے حاصل ہونے والے دودھ کی تجارت کرے گا، جو دودھ ان جانوروں سے حاصل ہوتا ہے اس کی تجارت ہوتی ہے، پوچھنا یہ ہے کہ زکوۃ نکالنے کی تاریخ کو جتنا دودھ اسٹاک میں رکھا ہوا ہو اور اب تک فروخت نہ ہوا ہو، کیا اس کی بھی زکوۃ ادا کرنی ہوگی؟ جامعہ دار العلوم کراچی کے فتوی نمبر ۱۴۴۳/۳۸ میں لکھا ہے کہ اسٹاک دودھ کی بھی زکوۃ دینی چاہیے۔ براہ کرم اس کی فقہی توجیہ بیان فرمائیں۔

(۲)۔۔اسی طرح زید کا ایک پولٹری فارم ہے جس میں وہ چوزے خرید کر اس غرض سے ان کی پرورش کرتا ہے کہ ان سے حاصل ہونے والے انڈے فروخت کرے گا، زکوۃ کا سال مکمل ہونے پر جتنے انڈے فروخت کیے جا چکے ہوتے ہیں ان کی قیمت کے حساب سے تو ان کی زکوۃ ادا کر دی جاتی ہے، لیکن پوچھنا یہ ہے کہ زکوۃ نکالنے کی تاریخ کو جتنے انڈے موجود ہوں اور اب تک فروخت نہ ہوئے ہوں، کیا ان کی بھی زکوۃ ادا کرنا ضروری ہوگی؟

(۳)۔۔۔تالاب میں جو مچھلیاں اس غرض سے پالی جاتی ہیں کہ ان کے بچوں کو فروخت کیا جائے گا، تو سوال یہ ہے کہ زکوۃ نکالنے کی تاریخ کو جتنے بچے موجود ہوں اور فروخت نہ کیے گئے ہوں کیا ان بچوں پر بھی زکوۃ ہوگی؟

بینو بالبرہان توجروا عند الرحمان

دار الافتاء ٥١/١٤٤٤

المستفتی:
افنان احمد
0322 2054256

(جواب منسلک اوراق پر ملاحظہ فرمائیں)

10211

الجواب حامدا ومصليا

(۱)۔۔۔واضح رہے کہ سابقہ فتوی میں "اسٹاک دودھ" پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا قول اس دودھ کو "مالِ تجارت" قرار دے کر اختیار کیا گیا ہے۔ اگرچہ حضراتِ فقہاءِ کرامؒ نے مالِ تجارت کی جو تعریف ذکر فرمائی ہے اس تعریف میں براہِ راست یہ داخل نہیں ہوتا لیکن احتیاط کے پہلو کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کو مالِ تجارت قرار دیا گیا ہے۔

اس مسئلے کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ حضراتِ فقہاءِ کرامؒ نے مالِ تجارت کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ "وہ مال جو عقدِ معاوضہ کے ذریعہ ملکیت میں آئے اور اسی عقدِ معاوضہ کے وقت اس کو آگے فروخت کرنے کی نیت ہو" لہٰذا جو مال عقدِ معاوضہ کے بغیر ملکیت میں آئے یا عقدِ معاوضہ کے وقت اس کو آگے فروخت کرنے کی نیت نہ ہو تو وہ مالِ تجارت نہیں کہلائے گا۔

اسی تعریف کی روشنی میں حضراتِ فقہاءِ کرامؒ نے چند مسائل کا استثناء کیا ہے:

(۱)۔۔۔عشری زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار جس کو آگے فروخت کرنے کی نیت ہو۔

(۲)۔۔۔میراث کے ذریعہ حاصل ہونے والا مال جس کو فروخت کرنے کی نیت ہو۔

(۳)۔۔۔ہبہ، وصیت اور صدقہ کے ذریعہ حاصل ہونے والا مال جس کو آگے فروخت کرنے کی نیت ہو۔

(۴)۔۔۔مہر اور خلع، صلح اور عتق کے عوض حاصل ہونے والا مال جس کو فروخت کرنے کی نیت ہو۔

ان چاروں صورتوں میں حضرات فقہاءِ کرامؒ نے فرمایا ہے کہ ان میں تجارت کی نیت نہیں ہو سکتی، لہٰذا یہ مالِ تجارت نہیں ہیں۔

لیکن زیرِ بحث مسئلہ کی نوعیت اس سے کچھ مختلف ہے کیونکہ:

(۱)۔۔عشری زمین پر قیاس کرنا اس لئے صحیح نہیں کہ عشری زمین میں پیداوار پر عشر واجب ہوتا ہے، اگر اس پیداوار پر زکوٰۃ بھی واجب ہو تو "ثنی" یعنی دوہری زکوٰۃ لازم آئے گی جو کہ غیر مشروع ہے۔

(۲)۔۔میراث کے مسئلے پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ وہاں کوئی عقد ہے ہی نہیں بلکہ بغیر عقد کے مال حاصل ہوا ہے۔

دارالافتاء

(جاری ہے۔۔۔)

(۳)۔۔ مہر اور خلع، صلح اور عتق کے عوض حاصل ہونے والے مال پر قیاس کرنا بھی درست نہیں کیونکہ یہ مال عقدِ معاوضہ (جس میں مبادلۃ المال بالمال ہو) کے ذریعہ حاصل نہیں ہوا بلکہ ایسے عقد کے ذریعہ حاصل ہوا ہے جس میں "مبادلۃ المال بغیر المال" ہے۔

(۴)۔۔ ہبہ، وصیت اور صدقہ کے مسئلے پر قیاس کرنا بھی درست نہیں ہے کیونکہ یہ مال اگرچہ عقد کے ذریعہ حاصل ہوا ہے لیکن یہ عقدِ معاوضہ نہیں ہے، لہٰذا ان چاروں صورتوں میں ان اموال میں مالِ تجارت کی نیت نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

اس کے برخلاف چونکہ بھینسوں کی خریداری کے وقت ان سے حاصل ہونے والے دودھ ہی کی تجارت کی نیت تھی اس لئے اگرچہ حضراتِ فقہاءِ کرامؒ کے کلام میں اس مسئلے کی صراحت نہیں ملتی کہ اصل کی خریداری کے وقت اس کی نماء کے فروخت کرنے کی نیت ہو تو وہ نماء مالِ تجارت ہوگا یا نہیں اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں، لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم کہ چونکہ اصل کے خریدتے وقت یہی نیت تھی کہ اس کی نماء کو ذریعۂ تجارت بنایا جائیگا اور اسی کی تجارت مقصود ہے اس لئے اس کو بھی مالِ تجارت قرار دیا جائے۔ لہٰذا احتیاطاً اس پر بھی زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے۔

(۳،۲)۔۔۔ پولٹری فارم میں پالی جانی والی مرغیوں کے انڈوں اور تالاب میں پالی جانی والی مچھلیوں کے بچوں کی زکوٰۃ کا وہی حکم ہے جو "اسٹاک دودھ" کی زکوٰۃ کا ہے۔ یعنی زکوٰۃ نکالنے کی تاریخ کو مرغیوں کے جتنے انڈے اور مچھلیوں کے جتنے بچے موجود ہوں اور فروخت نہ ہوئے ہوں ان کی بھی احتیاطاً زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے۔

البحر الرائق - (2 / 225)

والفعلي ما سواها فإنما يكون الإعداد فيها للتجارة بالنية إذا كانت عروضا وكذا في المواشي لا بد فيها من نية الإسامة لأنها كما تصلح للدر والنسل تصلح للحمل والركوب ثم نية التجارة والإسامة لا تعتبر ما لم تتصل بفعل التجارة والإسامة ثم نية التجارة قد تكون صريحا وقد تكون دلالة فالصريح أن ينوي عند عقد التجارة أن يكون المملوك به للتجارة سواء كان ذلك العقد شراء أو إجارة وسواء كان ذلك الثمن من النقود أو من العروض فلو نوى أن يكون للبذلة لا يكون للتجارة وإن كان الثمن من النقود فخرج ما ملكه بغير عقد كالميراث فلا تصح فيه نية التجارة إذا كان من غير النقود إلا إذا تصرف فيه فحينئذ تجب الزكاة كذا في شرح المجمع للمصنف....... وخرج أيضا ما إذا دخل من أرضه حنطة تبلغ

دار الافتاء

(جاری ہے ---)

(٣)

فيها وله نصاب ونوى ان يمسكها ويبيعها فامسكها (((وامسكها))) حولا لا تجب فيها الزكاة كما في الميراث وكذا لو اشترى بذرا (((بذرا))) للتجارة وزرعها في أرض عشر استأجرها كان فيها العشر لا غير كما لو اشترى أرض خراج أو عشر للتجارة لم يكن عليه زكاة التجارة وزرعها في أرض عشر استأجرها كان فيها العشر لا غير كما لو اشترى أرض خراج أو عشر للتجارة لم يكن عليه زكاة التجارة إنما عليه حق الأرض من العشر أو الخراج

وخرج ما ملكه بعقد ليس فيه مبادلة أصلا كالهبة والوصية والصدقة او ملكه بعقد هو مبادلة مال بغير مال كالمهر بدل (((وبدل))) الخلع والصلح عن دم العمد وبدل العتق فإنه لا تصح فيه نية التجارة وهو الأصح لأن التجارة كسب المال ببدل هو مال والقبول هنا اكتساب المال بغير بدل أصلا فلم يكن من باب التجارة فلم تكن النية مقارنة لعمل التجارة كذا صححه في البدائع

بدائع الصنائع - (2 / 12)

ولو ملك عروضا بغير عقد أصلا بأن ورثها ونوى التجارة لم تكن للتجارة لأن النية تجردت عن العمل أصلا فضلا عن عمل التجارة لأن الموروث يدخل في ملكه من غير صنعه ولو ملكها بعقد ليس مبادلة أصلا كالهبة والوصية والصدقة أو بعقد هو مبادلة مال بغير مال كالمهر وبدل الخلع والصلح عن دم العمد وبدل العتق ونوى التجارة يكون للتجارة عند أبي يوسف وعند محمد لا يكون للتجارة كذا ذكر الكرخي

الفتاوى الهندية (1 / 174)

ونية التجارة والإسامة لا تعتبر ما لم تتصل بفعل التجارة أو الإسامة ثم التجارة قد تكون صريحا وقد تكون دلالة فالصريح أن ينوي عند عقد التجارة أن يكون المملوك للتجارة سواء كان ذلك العقد شراء أو إجارة وسواء كان ذلك الثمن من النقود أو العروض

الفتاوى الهندية(موافق للمطبوع) - (1 / 174)

وما ملكه بعقد ليس فيه مبادلة أصلا كالهبة والوصية والصدقة أو ملكه بعقد هو مبادلة مال بغير مال كالمهر وبدل الخلع والصلح عن دم العمد وبدل العتق فإنه لا يصح فيه نية التجارة وهو الأصح كذا في البحر الرائق ولو ورثه فنواه للتجارة لا يكون لها كذا في التبيين

(جاری ہے ۔۔۔)

المحيط البرهاني (3 / 457)

ثم اتفق أصحابنا أن من ملك ما سوى الدراهم والدنانير من الأموال بالشراء، ونوى التجارة حالة الشراء أنه يعمل بنيته، ويصير المشترى للتجارة.

واتفقوا أيضاً أنه لو ملك هذه الأعيان بالإرث ونوى التجارة وقت موت المورث لا تصير للتجارة، ولا تعمل نيته.

نوٹ: یہ جواب استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی سے مشورہ کے بعد انکی ہدایت کی روشنی میں تحریر کیا گیا ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ أعلم بالصواب

محمد حذیفہ عفی عنہ

دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی

۲۱/جمادی الثانیہ ۱۴۳۳ھ

۱۳/مئی ۲۰۱۲ء

الجواب صحیح
بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۲۱-۶-۳۳ھ

الجواب صحیح
۲۱-۶-۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح
۲۱/۶/۱۴۳۳

الجواب صحیح
محمد عبد المنان عفی عنہ
۲۱-۶-۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح
۲۱-۶-۱۴۳۳

الجواب صحیح
محمد یعقوب عفی عنہ
۲۲/۶/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح
۲۲/۶/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح
شاہ محمد تفضل علی عفی عنہ
۲۲/۶/۱۴۳۳ھ

دار الافتاء

حوالہ نمبر: 13

مناسب ہوگا اگر ہم زکوٰۃ کے قومی معیشت اور اسلام کے معاشی نظام میں اہمیت و افادیت کو ظاہر کرنے کی غرض سے جن اموال میں جتنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اجمالاً ان کا تذکرہ کردیں تفصیلی احکام زکوٰۃ تو کتب فقہ سے ہی معلوم ہوسکتے ہیں۔

اموال نامیہ

① اموال تجارت خواہ کسی بھی چیز کی تجارت ہو حتیٰ کہ کسی خاص قسم کی مٹی پتھروں کی ہی تجارت کیوں نہ ہو، اگر سال گزرنے پر ضروری اخراجات نکال کر بقدر نصاب یعنی دوسو درہم (تقریباً ۵۲ تولے) چاندی کی مالیت کا خالص منافعہ بچتا ہے تو اس پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

② سونا چاندی خواہ اپنی اصلی حالت پر ہوں خواہ زر مسکوک یعنی سکہ کی صورت میں خواہ زیورات وظروف وغیرہ کی شکل میں ہوں اگر بقدر نصاب موجود ہوں یعنی سونا ساڑھے سات تولہ چاندی ساڑھے باون تولہ یا اس سے زائد ہو تو سال گزرنے پر ان پر بھی چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

③ زمین کی پیداوار غلہ، پھل، ترکاریاں وغیرہ ہر وہ چیز جس کی کاشت کی جائے تھوڑی یا بہت اگر بارانی زمین کی پیداوار ہو تو اس کا دسواں حصہ (عشر) اور اگر نہری یا چاہی زمین کی پیداوار ہو تو اس کا چالیسواں حصہ (نصف عشر) زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

④ اموال سائمہ یعنی افزائش نسل کی غرض سے پالے ہوئے خودرو جنگل میں چرنے والے مویشی، اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ، بکری وغیرہ۔ سال گزرنے پر ہر قسم کے جانور سے اس کے نصاب کے مطابق مقررہ مقدار میں زکوٰۃ لی جائے گی۔ تفصیل کتب فقہ سے معلوم کیجئے۔ یہی مویشی اگر افزائش نسل کے بجائے ان کی یا ان کے منافع، دودھ اون وغیرہ کی تجارت کی غرض سے پالے ہوں تو اموال تجارت میں محسوب ہوں گے، صدقات واجبہ یعنی کفارہ صوم، کفارہ یمین، کفارہ ظہار، کفارہ قتل خطا، جنایات حج وعمرہ واحرام یا نذور یعنی مالی منتیں جو بھی مانی جائیں، صدقہ فطر قربانی یہ تمام صدقات بھی زکوٰۃ کے تحت داخل ہیں اور ان کا ادا کرنا بھی واجب ہے۔

الجواب باسم ملهم الصواب

زکاۃ کے باب میں کوئی بھی مالِ متقوم تجارت کی نیت کرنے سے سامانِ تجارت کے زمرے میں داخل ہو سکتا ہے۔ تجارت کی نیت کے معتبر ہونے کے لیے اکثر فقہاءِ کرام نے بنیادی شرط یہ لگائی ہے کہ یہ مال انسان کی ملکیت میں کسی عقد معاوضہ کے ذریعہ سے آیا ہو، نیز خریدتے وقت ہی آگے فروخت کرنے کی نیت ہو اور یہ نیت تاحال برقرار بھی ہو۔ اگر اس مال کا تملک بغیر کسی عقد کے ہوا ہو (مثلاً: مباحات کا احراز یا کسی صنعت و حرفت وغیرہ کے نتیجے میں حاصل ہونے والا مال)؛ یا عقد کے ذریعہ ہوا ہو لیکن وہ عقد عقدِ معاوضہ نہ ہو (مثلاً: ھبہ) تو وہ مال شرعاً مالِ تجارت نہیں کہلائے گا، اگرچہ اس میں آگے فروخت کرنے کی نیت بھی کی گئی ہو۔ یہ احناف کا مفتی بہ قول ہے۔ مالکیہ اور شافعیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اس تفصیل کی رو سے علامہ ابن الھمام نے اموال منوی للتجارۃ کی تین اقسام بنائی ہیں:

۱۔ جو مال براہ راست عقد معاوضہ (مبادلۃ المال بالمال) کے نتیجہ میں ملکیت میں آئے: اس میں تمام فقہاء کے نزدیک تجارت کی نیت معتبر ہے، اور اس نیت سے مال مالِ تجارت قرار پائے گا، بشرطیکہ وہ نیت برقرار رہے۔

۲۔ جو مال بغیر کسی 'فعل یا تصرف' کے ملکیت میں آئے: اس کے مال تجارت نہ ہونے پر اجماع ہے۔ جیسے: مالِ وراثت۔

۳۔ جو مال کسی 'فعل یا تصرف' کے نتیجے میں ملکیت میں آئے (جیسے ھبہ، بدل خلع، مہر، وغیرہ) لیکن وہ تصرف عقد معاوضہ میں شامل نہ ہو۔ اس قسم کے مال کی تعبیر کتب فقہ میں تین کلمات سے کی گئی ہے: بفعلہ، بکسبہ، بصنعہ۔ اس تیسری قسم میں اختلاف ہے اکثر فقہاء کرام کے نزدیک نیت کرنے سے وہ شرعاً مال تجارت نہیں ٹھہرے گا۔ فقہاء احناف نے اس قول کو اصح اور راجح قرار دیا ہے۔ البتہ امام ابویوسف اور حنابلہ کا قول یہ ہے کہ اگر انسان کے اپنے فعل سے کوئی چیز اس کی ملکیت میں آئی ہو، اور اسی وقت سے اس کی نیت تجارت کی ہو تو اس پر بھی زکاۃ واجب ہوگی۔ اس وجوب کے لیے انہوں نے "احتیاطا" کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔

حنابلہ اور امام ابویوسف رحمہم اللہ کے اس قول کی روشنی میں انسان کے ذاتی اختیار و تصرف کے تحت جو بھی چیز اس کی ملکیت میں آجائے اگر اس میں تجارت کی نیت کی جائے تو وہ مالِ تجارت بن جائے گی۔ لہذا اس قول کے اندر موجودہ زمانے کے تمام وہ مال آگئے جو کسی بھی قسم کی محنت یا صنعت Manufacturing process کے نتیجہ میں حاصل کیے جاتے ہیں۔

اس ساری تفصیل سے بظاہر یہی بات واضح ہوتی ہے کہ ما نحن فیہ صورتِ مسئلہ بھی اسی اختلاف میں دائر ہے، اور اس تیسری قسم کے تحت شامل ہے، لہذا مفتی بہ اور راجح قول کے مطابق صورت مسئولہ میں چوزوں پر زکاۃ واجب نہیں ہونی چاہیے کیونکہ اس پر مالِ تجارت کی مذکورہ بالا تعریف صادق نہیں آتی۔ ہماری رائے میں اگر کوئی اس مفتی بہ قول کے مطابق عمل کرنا چاہے اور صرف رقم

پر زکاۃ کی ادائیگی پر اکتفا کرے تو یہ درست ہوگا، البتہ اگر احتیاطا امام ابو یوسف کے قول پر عمل کر کے چوزوں کو مالِ تجارت قرار دے کر ان کی زکاۃ ادا کرے تو باعثِ احتیاط ہونے کی وجہ سے زیادہ بہتر ہے۔ البتہ ابتداء میں خریدے ہوئے چوزوں اور ان سے حاصل شدہ انڈوں کی زکاۃ بہر صورت واجب نہیں ہے؛ کیونکہ وہ کسی بھی تعریف کے لحاظ سے مالِ تجارت میں شامل نہیں۔

- الموسوعة الفقهية – (23/271)

الشَّرْطُ الثَّانِي : تَمَلُّكُ الْعَرْضِ بِمُعَاوَضَةٍ :

82 – يُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ قَدْ تَمَلَّكَ الْعَرْضَ بِمُعَاوَضَةٍ كَشِرَاءٍ بِنَقْدٍ أَوْ عَرْضٍ أَوْ بِدَيْنٍ حَالٍّ أَوْ مُؤَجَّلٍ ، وَكَذَا لَوْ كَانَ مَهْرًا أَوْ عِوَضَ خُلْعٍ .

وَهَذَا مَذْهَبُ الْمَالِكِيَّةِ وَالشَّافِعِيَّةِ ، وَمُحَمَّدٍ ، فَلَوْ مَلَكَهُ بِإِرْثٍ أَوْ هِبَةٍ أَوِ احْتِطَابٍ أَوِ اسْتِرْدَادٍ بِعَيْبٍ وَاسْتِغْلالِ أَرْضِهِ بِالزِّرَاعَةِ أَوْ نَحْوِ ذَلِكَ فَلا زَكَاةَ فِيهِ .

قَالُوا : لأَنَّ التِّجَارَةَ كَسْبُ الْمَالِ بِبَدَلٍ هُوَ مَالٌ ، وَقَبُولُ الْهِبَةِ مَثَلا اكْتِسَابٌ بِغَيْرِ بَدَلٍ أَصْلا .

وَعِنْدَ الشَّافِعِيَّةِ فِي مُقَابِلِ الأَصَحِّ أَنَّ الْمَهْرَوَعِوَضَ الْخُلْعِ لا يُزَكَّيَانِ زَكَاةَ التِّجَارَةِ .

وَقَالَ الْحَنَابِلَةُ وَأَبُو يُوسُفَ : الشَّرْطُ أَنْ يَكُونَ قَدْ مَلَكَهُ بِفِعْلِهِ ، سَوَاءٌ كَانَ بِمُعَاوَضَةٍ أَوْ غَيْرِهَا مِنْ أَفْعَالِهِ ، كَالاحْتِطَابِ وَقَبُولِ الْهِبَةِ ، فَإِنْ دَخَلَ فِي مِلْكِهِ بِغَيْرِ فِعْلِهِ ، كَالْمَوْرُوثِ ، أَوْ مُضِيِّ حَوْلِ التَّعْرِيفِ فِي اللُّقَطَةِ ، فَلا زَكَاةَ فِيهِ .

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ أَحْمَدَ : لا يُعْتَبَرُ أَنْ يَمْلِكَ الْعَرْضَ بِفِعْلِهِ ، وَلا أَنْ يَكُونَ فِي مُقَابَلَةِ عِوَضٍ ، بَلْ أَيُّ عَرْضٍ نَوَاهُ لِلتِّجَارَةِ كَانَ لَهَا (1) ، لِحَدِيثِ سَمُرَةَ : " أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِي نَعُدُّ لِلْبَيْعِ "

- المحيط البرهاني في الفقه النعماني – (2/ 248)

وعن سمرة بن جندب رضي الله عنه قال «كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمرنا بإخراج الزكاة عن الرقيق، وعن كل مال نبيعه» ، ولأن هذا مال نبغي منه النماء، فيكون سببا لوجوب الزكاة كالدراهم والدنانير والسوائم..........

واتفقوا أيضا أنه لو ملك هذه الأعيان بالإرث ونوى التجارة وقت موت المورث لا تصير للتجارة، ولا تعمل نيته.

واختلفوا فيما إذا ملكها بالتبرع كالهبة والصدقة والوصية والخلع والصلح عن دم العمد، ونوى التجارة عند التمليك، قال أبو يوسف: تعمل نيته، وقال محمد: لا تعمل نيته، وقول أبي حنيفة كقول محمد، كذا ذكره بعض المشايخ.

فوجه قول محمد: أن المنوي هو التجارة، وهذه الأشياء ليست بتجارة فلم تتصل النية بالمنوي، فلا يعمل.

وجه قول أبو يوسف رحمه الله: إنه يملك هذه الأعيان بكسبه .والتجارة ليست هي إلا الكسب، فيلحق هذا الكسب بكسب التجارة احتياطا لأمر العبادة.

وذكر ابن سماعة عن محمد فيمن أجر داره بعبد يريد به التجارة، فهو للتجارة؛ لأن الإجارة نوع تجارة؛ لأنها بيع المنفعة، فالنية اتصلت بالمنوي. وفي «المنتقى» : أن نية التجارة بالعقد المتزوج عليه باطلة، وهذا يجب أن يكون قول محمد. ونوى التجارة عند التمليك.

- رد المحتار – (7/ 1)

(وما ملكه بصنعه كهبة أو وصية أو نكاح أو خلع أو صلح من قود) قيد بالقود لأن العبد للتجارة إذا قتله عبد خطأ ودفع به كان المدفوع للتجارة خانية وكذا كل ما قوبض به مال التجارة فإنه يكون لها[أي للتجارة] بلا نية كما مر (ونواه لها كان له عند الثاني والأصح) أنه (لا) يكون لها بحر عن البدائع .

وفي أول الأشباه : ولو قارنت النية ما ليس بدل مال بمال لا تصح على الصحيح.

(قوله : وما ملكه بصنعه إلخ) أي ما كان متوقفا على قبوله ، وليس مبادلة مال بمال كهذه العقود إذا نوى عند العقد كونه للتجارة لا يصير لها على الأصح لأن الهبة والصدقة والوصية ليست بمبادلة أصلا ، والمهر وبدل الخلع والصلح عن دم العمد مبادلة مال بغير مال كما في البدائع .

قال في فتح القدير : والحاصل أن نية التجارة فيما يشتريه تصح بالإجماع ، وفيما يرثه لا بالإجماع ، وفيما يملكه بقبول عقد مما ذكر خلاف .

(قوله : والأصح أنه لا يكون لها) **لأن التجارة كسب المال ببدل هو مال** ، والقبول اكتساب بغير بدل أصلا فلم تكن النية مقارنة عمل التجارة بدائع.

والله اعلم بالصواب

احمد افنان

دارالافتاء جامعة الرشيد کراچی

١٠ جمادی الاولی ١٤٣٥ھجری

الجواب صحیح
سعید احمد حسن
دارالافتاء جامعة الرشید کراچی
١١/٥/١٤٣٥ھ

الجواب صحیح
محمد ... خلیل
دارالافتاء جامعة الرشید کراچی
١٠/٥/١٤٣٥ھ

دارالافتاء جامعة الرشید
احسن آباد کراچی اسلامی جمہوریہ پاکستان
فتوی نمبر:
رمضان ١٣٨٣